ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.7 No.3, 2024

اُسلوبِ سرسیّد کا تمثیلی انداز

(ALLEGORY STYLE OF WRITING OF SIR SYED AHMED KHAN)

Kiran Rubab Naqvi,
Urdu Department, MY University, Islamabad
Kiran_rubab@yahoo.com

Prof. Dr. Baqir Waseem,
Urdu Department, MY University, Islamabad

کِرن رُباب نقوی،
شعبہ اُردو، مائی یونیورسٹی، اسلام آباد

پروفیسر ڈاکٹر باقر وسیم،
شعبہ اُردو، مائی یونیورسٹی، اسلام آباد

Abstract:

"The use of purposeful anecdote and representation as scholarly gadgets ranges across societies and ages, bearing critical authentic roots. Starting prominently in antiquated Greek writing, exemplified by scholars like Plato in works, for example, 'The Republic' and his 'Purposeful anecdote of the Cavern', these methods emblematically typify significant philosophical ideas like illumination, reality, and information. In Urdu writing, the reception of purposeful anecdote and representation rises above solitary attribution, developing naturally as basic parts of its more extensive artistic legacy. Inside the rich embroidery of Urdu abstract articulation enveloping verse, composition, and various narrating designs, famous writers and scholars skillfully coordinate figurative subtleties and exemplification, lifting the stylish allure and significant profundities of their works. Vital among these figures is Sir Syed Ahmed Khan, whose clever works carefully investigated different features of Muslim life in the Subcontinent, utilizing figurative and emblematic themes to dig into philosophical and otherworldly subjects while prudently resolving the predominant issues of his period. Consequently, this logical talk expects to investigate the topical utilization of Purposeful anecdote and Representation in the Articles of Sir Syed Ahmed Khan inside the nuanced setting of Urdu writing."

Keywords:

Allegory, Symbol, Personification, Epitome, Embodiment, Style of Writing, Diction, Phrasing, Terminology, Eloquence, Rendition, Sir Syed Ahmed Khan

صنفِ ادب کا تعلق کسی بھی زبان سے ہو، اُسلوب ہی اُس کی پرورش کرتا ہے، ہر قلم کار کا ایک منفرد اُسلوب ہوتا ہے جو نہ صرف یہ کہ اُسے دُوسرے لکھاریوں سے ممتاز کرتا ہے، منفرد بناتا ہے بلکہ آنے والے وقت میں اُس کی ادبی حیثیت کا تعین بھی کرتا ہے۔

ہر مصنف کے اُسلوب کے کئی ایسے نمایاں پہلو ہوتے ہیں جو اُس کو دیگر ادبا سے ممتاز کرتے ہیں۔ سر سید احمد خان کا تمثیلی انداز بھی ایک ایسا ہی اُسلوبیاتی امتیاز ہے۔ اُسلوبِ سرسیّد احمد خان کے تمثیلی انداز کو سمجھنے کے لیے نہ صرف اُن کی تحریروں کا بلکہ اُن پر لکھی گئی تحریروں کا بھی مطالعہ لازمی ہوگا۔

اُسلوبِ سرسیّد ایک وسیع و عریض موضوع ہے، جس پر آج تک بے بہا تحقیقی کُتب احاطہِ تحریر میں لائی گئیں۔ جس قدر وسیع اُن کی تحریروں کا کینوس تھا اُسی قدر فصیح و بلیغ اُن کا طرزِ تحریر بھی تھا۔ اُن کے اُسلوبِ تحریر کو جانچنے کے لیے آج تک بہت سا تحقیقی کام کیا گیا۔ مذکورہ موضوعِ تحقیق کو سمجھنے کے لیے ضروری ہے کہ چند

ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.7 No.3, 2024

سوالات طے کر لیے جائیں جو اِس تحقیق کو آگے بڑھانے میں معاون ثابت ہوں گے۔ جیسے کہ اُسلوب کیا ہے؟، سر سیّد احمد خان کا اُسلوب کیا ہے؟، تمثیل کیا ہے؟، اُسلوبِ سر سیّد کا تمثیلی انداز کیا ہے؟

اُسلوب کو سمجھنے کے لیے بہت سا مطالعاتی مواد موجود ہے جس میں لُغات، تحقیقی مضامین و کُتب، مدون مواد، مضامین، رسائل، سندی و تحقیقی مقالہ جات، برقی مواصلات سے نشر ہونے والا مواد وغیرہ شامل ہیں۔ یہاں یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ ہر محقق اور تجزیہ نگار نے اپنے اپنے انداز میں اُسلوب کی تعریف کی ہے۔

لُغت کے مطابق اُسلوب اِسم ہے، مذکر ہے، اصل مصدری معنی میں یہ عربی زبان کا لفظ ہے۔ عربی اور جدید فارسی میں اسی کو "سبک" کہتے ہیں اُردو میں اس کے لغوی معنی وضع، ڈھنگ، طور، روش، طرز، ترتیب، انتظام، سلیقہ اور طرزِ تحریر کے ہیں۔ انگریزی میں اسے سٹائل (Style) کہا جاتا ہے۔ لغات اور مختلف انسائیکلوپیڈیا میں بھی اُسلوب کی متعدد تعریفیں ملتی ہیں، مثلاً آکسفورڈ انگلش ڈکشنری میں اُسلوب کے، بحیثیتِ اسم ۲۸ معنی اور بحیثیتِ فعل ۰۶ معنی دیے گئے ہیں۔

اظہر اللغات، اُردو کے مطابق **"اُسلوب (مذکر) کے معنی طریقہ، طرز، روش، کے ہیں جس کی جمع اسالیب ہے۔(۱)**

درسی اُردو لغت، مقتدرہ قومی زبان کے مطابق **"اُسلوب اِسم ہے، مذکر ہے، اس کے معنی ڈھنگ، روش اور طریقہ کے ہیں (خاص طور پر نظم و نثر لکھنے کا انداز) ۔(۲)**

فیروز اللغات کے مطابق **"اُسلوب مذکر ہے، اس کے معنی طریقہ، طرز اور روش کے ہیں۔(۳)**

اُسلوب کے نمایاں اجزا میں عنوان، لفظ، تراکیب، محاورات، جملے، مصرعے، بُنت، بناوٹ، کردار، زبان وغیرہ شامل ہیں۔ اُردو ادب کے نمایاں اسالیبِ نثر میں مقفیٰ اُسلوب، اُسلوبِ شکستہ، اُسلوبِ شگفتہ، اُسلوبِ جلیل، سادہ اور بیانیہ اسالیب شامل ہیں۔

سر سیّد کو جدید اُردو نثر کا بانی کہا جاتا ہے، اُنھوں نے اُردو نثر کو عبارت آرائی، لفاظی، تکلف و تصنع سے نجات دلائی، سیدھے سادھے انداز میں بات کہنا سکھایا اور اُردو زبان میں اتنی قوت اور صلاحیت پیدا کر دی کہ ہر طرح کے مضامین ادا کیے جا سکیں اور علمی موضوعات پر بہ آسانی اظہارِ خیال کیا جا سکے۔ ان کے اُسلوب کی سب سے بڑی خوبی موضوع اور ہیئت کی ہم آہنگی ہے وہ ہر موضوع اور خیال کے لیے مناسب اسلوب اپناتے ہیں۔ ان کا اُسلوب ہر رنگ میں ڈھل جانے کی صلاحیت رکھتا ہے۔

سر سیّد احمد خان کے تحریروں کا سب سے نُمایاں انداز "تمثیلی انداز" ہے۔ وہ نہایت ہی خوبصورتی سے اپنے خیال کی تجسیم کرتے اور اُس سے وہ نتیجہ اخذ کرتے جو وہ چاہتے، یعنی قاری کو عین اُس مقام پر لے آتے جہاں وہ اُن کی نظر سے دیکھتا، اُن کے کانوں سے سُنتا، اُن کے ذہن سے سوچتا اور اُن کی زبان سے بولنا سیکھ جاتا۔ یہ انداز نہ صرف مُنفرد تھا بلکہ قاری کو اپنی گرفت میں بھی لے لیتا تھا یہاں تک کہ سر سیّد اپنا من پسند نتیجہ اخذ کرنے میں کامیاب ہو جاتے۔ تمثیل نگاری کرتے ہوئے سر سیّد روز مرہ، محاورے، تشبیہات و استعارات کا بخوبی استعمال کرتے ہیں۔ اُن کا تمثیلی انداز کہیں کہیں رُومانوی اور افسانوی انداز بھی پیدا کر دیتا ہے۔

سر سیّد نے تمثیل نگاری کے ذریعے نثر میں دلکشی اور دلکشی کے ذریعے تاثیر پیدا کی ہے۔ اُنھوں نے حالات و واقعات کی تصویر کشی کے لیے بھی تمثیل کا سہارا لیا اور کئی مقامات پر اچھائی بُرائی کو مذہبی پیرائے میں بیان کرتے ہوئے بھی تمثیل کا سہارا لیا جس کی بدولت تحریر مزید پُراثر بھی ہوئی اور نئی نسل کے لیے دلچسپی کا باعث بھی بنی۔ سر سیّد نے تمثیل نگاری کو انشاپردازی سے مزید اُبھارا۔ قبل اس کے کہ ہم سر سیّد احمد خان کے تمثیلی رنگ کو تفصیلاً دیکھیں، یہ مناسب ہو گا کہ ایک نظر تمثیلی انداز پر بھی ڈال لی جائے، تاکہ سر سیّد احمد خان کی نثر میں تمثیل نگاری کو بہتر طور پہ سمجھا جا سکے۔

تمثیل کے لغوی معنی ہیں مثال دینا، مطابقت قائم کرنا، ڈرامے کی صنف کو بھی تمثیل کہا جاتا ہے، غیر مادی یا غیر مرئی چیزوں کو مرئی شکل میں پیش کرنا تمثیل کہلاتا ہے۔ تمثیل میں عموماً اخلاقی اصلاح کے نقطۂ نظر سے ذہنی تصورات کو مجسم کر کے کرداروں کے طور پر پیش کیا جاتا ہے یعنی نیکی، بدی، لالچ، حسد، عشق، غلامی، عیاری، ہمت، بزدلی وغیرہ تمثیل کے کردار ہوتے ہیں، جنھیں عام انسانی کرداروں کے طور پر پیش کیا جاتا ہے۔ تمثیل کا لفظ دراصل یونانی علمِ بلاغت کی اصطلاح سے ماخوذ ہے۔ انگریزی میں اسے (Allegory/ Personification) کہا جاتا ہے، اسے تجسیم نگاری بھی کہتے ہیں۔

اظہر اللغات، اُردو کے مطابق **"تمثیل (مونث) کے معنی تشبیہ، نظیر، مشابہت، مثال، ڈرامہ کے ہیں۔(۴)**

ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.7 No.3, 2024

درسی اُردو لغت، مقتدرہ قومی زبان کے مطابق "**تمثیل اسم ہے، مونث ہے، واحد ہے، اس کے معنی مثال دینا، مشابہت، مطابقت، ڈراما (جس میں کسی کہانی یا واقعہ کو عمل کی صورت میں پیش کیا جاتا ہے)، نقل کے ہیں۔ اس کی جمع تماثیل ہے۔(۵)**

فیروز اللغات کے مطابق "**تمثیل (مونث) کے معنی تشبیہ، مثال اور ڈرامہ کے ہیں۔(۶)**

ڈاکٹر فرمان فتح پوری کے خیال میں "**تمثیل (Allegory) سے ایسا انداز تحریر مراد ہے۔ جس میں مسلسل تشبیہات واستعارات سے کام لیا جاتا ہے۔ اور اصل موضوع پر براہِ راست بحث کرنے کی بجائے اسے تخیلی و تصوراتی کرداروں کے ذریعہ مسلسل کہانی یا واقعہ کی شکل میں بیان کیا جاتا ہے۔ تمثیل میں موضوع و مراد کا تعلق اگرچہ روز مرہ کے مسائل حیات اور انسان کے عقائد و تجربات سے ہوتا ہے لیکن اس سے عموماً کسی روحانی یا اخلاقی مقصد کے لیے استعمال کیا جاتا ہے"(۷)**

ڈاکٹر سلام سندیلوی کہتے ہیں کہ "**تمثیل کی پہلی خصوصیت یہ ہے کہ ہمیں غیر مرئی خیال کو مرئی شے اور غیر ناطق کو ناطق تصور کر لیا جاتا ہے، دوسری خصوصیت یہ ہے کہ ایسی چیزوں کا ذکر ایک افسانوی انداز میں کیا جاتا ہے۔ تیسری اہم خصوصیت رمزیہ کی (تمثیل نگاری) یہ ہے کی اس افسانہ سے کوئی اخلاقی نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے(۸)"**

تمثیل بیانیہ، کہانی کا قدیم ترین اسلوب ہے۔ مذہبی واقعات اور دیوی دیوتاؤں کے قصوں میں اس کی بہت سی مثالیں دیکھی جاسکتی ہیں۔ گوتم بدھ سے متعلق جاتک کہانیوں میں بھی تمثیل کا رنگ غالب ہے۔ انجیل اور قرآن کے بعض بیانات تمثیلی خصوصیت رکھتے ہیں۔ اُردو میں مُلا وجہی کی سب رس تمثیل کی نمایاں مثال ہے جس میں قصہِ حُسن و دل کو پیش کیا گیا۔ اس کے تمام کردار تمثیلی ہیں۔ سر سیّد کے بعض مضامین اور محمد حُسین آزار کے نیر نگ خیال کے مضامین بھی تمثیل کا اعلیٰ نمونہ ہیں۔ مولوی نذیر احمد کے ناولوں میں بہت سے کردار اپنے ناموں کی وجہ سے تمثیلی کردار کہلاتے ہیں، مثلاً توبتہ النصوح میں ظاہر دار بیگ کا کردار۔ سجاد حیدر یلدرم اور نیاز فتح پوری کے افسانوں میں بھی تمثیل کی کارفرمائی دیکھی جاسکتی ہے۔

عمومی طور پر تمثیل کو شاعری کا لازمہ کہا جاتا ہے، لیکن شاعری کے ساتھ ساتھ تمثیل نے نثری ادب پر بھی بڑے گہرے نقوش چھوڑے ہیں۔ تمثیل خیالات سے جنم لیتی ہے جس قدر مضبوط اور ارفع خیال ہو گا، اُسی قدر تمثیل پُر اثر ہو گی۔ تمثیل کو اگر انتہائی مختصر الفاظ میں سمجھنے کی کوشش کی جائے تو ادیب اپنے داخلی جذبوں کو الفاظ کی شکل دے کر ایک تصویر بنائے جو قاری کے اندازِ خوابیدہ احساس کو جگائے تو اُسے تمثیل کہا جاتا ہے۔

موضوع اور مواد کے اعتبار سے تمثیل یا تجسیم نگاری بنیادی طور پر ترغیبی، فکری اور تلقینی ہوتی ہے۔ مصنف کے پیش نظر کوئی اخلاقی سبق، صوفیانہ معقد یا ترغیب دینے کا مدعا ہوتا ہے۔ اس کے لیے کبھی خواب کو حقیقت کا رُوپ دے دیا جاتا ہے کبھی خیال کو تصویر بنالیا جاتا ہے۔ کبھی مجرد کو مجسم اور کبھی بے جان کو جاندار بنا کر دکھایا جاتا ہے۔ لیکن عام طور پر تمثیل مجرد کو مجسم بنانے کے عمل سے عبارت ہوتی ہے۔ عام طور پر یہ فنی پیرایہ داستانوں اور اخلاقی حکایتوں میں استعمال کیا جاتا ہے۔

منظر اعظمی اپنی کتاب "**اُردو میں تمثیل نگاری**" میں تمثیل کی چار اقسام بیان کرتے ہیں۔

"**اخلاقی تمثیل نگاری: جس کا مقصد کسی اخلاقی یا مذہبی مسئلے کی وضاحت کرنا ہو،**

علمی تمثیل نگاری: وہ تمثیل جو کسی فکری یا علمی نکتے کو نمایاں کرنے کے لیے لکھی گئی ہو اور کوئی مذہبی یا اخلاقی مقصد نہ رکھتی ہو۔

سیاسی یا سماجی تمثیل نگاری: وہ تمثیل جس میں سماجی یا سیاسی اتحاد اور یا اسی طرح کے مسائل کو بُنیاد بنایا گیا ہو۔

طنزیہ تمثیل نگاری: ایسی تمثیلیں جن میں طنز کے ذریعے اصل واقعات کو چند مصلحتوں کی بُنیاد پر ایک مفروضے کی شکل دے کر پیش کیا گیا ہو۔"(۹)

تمثیل کی عمومی اقسام درج ذیل ہیں:-

بصری تمثیل: ایسی تمثیل جو سیدھا آنکھ پر اثر انداز ہو اور اس کے بقیہ اثرات ذہن پر مرتب ہوں یعنی اس کا پہلا اثر ہماری بصارت پر ہو، مثال کے طور پر سر سید اپنے مضمون "اُمید کی خوشی" میں کہتے ہیں کہ "**بجلی سی چمکنے والی تلواریں اور سنگینیں اس کی نظر کے سامنے ہوتی ہیں۔" (۱۰)**

ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.7 No.3, 2024

سمعی تمثیل: الفاظ سے بنائی گئی وہ تصویر جو ہماری سماعت کو متحرک کر کے ذہن پر نقش و نگار بنائے، مثال کے طور پر لہجہ کہ جیسے **"بادل کی سی کڑکنے والی اور آتشیں پہاڑ کی سی آگ برسانے والی توپوں کی آواز سنتا ہے "** (۱۰)

مشامی تمثیل: الفاظ کی ایسی تصویر جو ہماری مشامی حس یعنی سونگھنے کی حس کو اُبھارے اور مُتحرک کرے جیسے سر سید اپنے مضمون "خوشامد" میں کہتے ہیں کہ **"۔۔۔ناموری کی مثال نہایت عمدہ خوشبو کی ہے، جب ہوشیاری اور سچائی سے ہماری واجب تعریف ہوتی تو اس کا ویسا ہی اثر ہوتا ہے جیسے عمدہ خوشبو کا، مگر جب کسی کمزور دماغ میں زبردستی سے وہ خوشبو ٹھونس دی جاتی ہے تو ایک تیز بو کی مانند دماغ کو پریشان کر دیتی ہے۔"** (۱۱)

ذائقاتی تمثیل: اس سے مراد ایسی تصویر جس سے ہمارے چکھنے کی حس مُتحرک ہو یا ایسی تمثیل جس کو پڑھنے سے ذائقے کی حس اُبھرے۔ جیسے کہ **"اُمید کی خوشی میں "۔۔۔ رسیلی آنکھیں۔۔۔۔۔"**(۱۲) کا استعمال۔

اسی طرح "تربیتِ اطفال" میں یہ کہنا کہ **"کچھ خفا ہونے کی بات نہیں، ٹھنڈے دل سے سوچنا چاہیے۔"** (۱۳)

اور مہذب قوموں کی پیروی میں یہ کہنا کہ **"۔۔۔۔تمام علوم کا مزہ۔۔۔۔دل سے جاتا رہا۔"** (۱۴)

لمسی تمثیل: ایسی تمثیل جو کسی کے اندر چُھونے کے حوالے سے یا گرم سرد ہونے کے احساس کو مُتحرک کرے، جیسے **"آدمؑ کی سرگزشت"** میں یہ لکھنا کہ **"خدا نے سڑی ہوئی کیچڑ سے جو آگ میں پکے ہوئے کی مانند گرم ہو رہی تھی، آدمؑ کو اور اس کی جوڑی حواؑ کو پیدا کیا۔"** (۱۵)

عضویاتی تمثیل: ایسی تمثیل جس میں دھڑکنے، سانس کے چلنے اور نبض کی حرکت محسوس ہو، جیسے "آدمؑ کی سرگزشت" میں یہ کہنا کہ **"۔۔دل بہت خوش ہوا، بے قصد باچھیں کھلنے لگیں، دل بھی دھکڑ پکڑ کرنے لگا۔"** (۱۶)

تمثیل کو مزید اقسام بھی ہیں جن میں **حرکی، حرارتی، عصبی** وغیرہ شامل ہیں، البتہ مذکورہ بالا اہم اور عام تماثیل ہیں۔

اُسلوبِ سرسیّد کا تمثیلی رنگ

مقالات میں تمثیلی رنگ اختیار کرنے کا سہرا سرسیّد کے سر ہے ۔ سرسیّد کی فطرت میں چھپی ہوئی رومانیت اس مضمون میں نمایاں ہے۔ اس نے اُردو نثر نگاری میں ایک نیا باب کھولا ہے۔ سرسیّد کے بعض مضامین تمثیل نگاری کی نہایت عمدہ مثال ہیں ۔ **"سب سے بڑی خوبی، سیّد صاحب میں یہ تھی کہ وہ مشکل سے مشکل اور دقیق سے دقیق مضمون، خواہ وہ مذہبی ہو یا سیاسی، نہایت صاف اور بے تکلف زبان میں ادا کر سکتے تھے"**(۱۷)۔

اب ہم سرسیّد احمد خان کے چند مضامین اور اُن میں تمثیل نگاری کا ذکر اور مضمون کا تجزیہ کرتے ہیں۔ اُن کے مضمون **"اُمید کی خوشی"** سے ایک اقتباس:

"اے آسمان پر بُھورے بادلوں میں بجلی کی طرح چمکنے والی دھنک، اے آسمان کے تارے تُمہاری خوشنما چمک، اے بُلند پہاڑوں کی آسمان سے باتیں کرنے والی دُھندلی چوٹیو! اے پہاڑ کے عالی شان درختو! اے اُونچے اُونچے ٹیلوں کے دلکش بیل بُوٹو! تُم بہ نسبت ہمارے پاس کے درختوں اور سرسبز کھیتوں اور لہراتی ہوئی نہروں کے کیوں زیادہ خوشنما معلوم ہوتے ہو؟ اس لیے کہ ہم سے بہت دُور ہو، اس دُوری نے ہی تُم کو یہ خوبصورتی بخشی ہے۔ اس دُوری ہی سے تُمہارا نیلا رنگ ہماری آنکھوں کو بھایا ہے۔ تو ہماری زندگی میں بھی جو چیز بہت دُور ہے وہی ہم کو زیادہ خُوش کرنے والی ہے"(۱۸)

"او نورانی چہرہ والے یقین کی اکلوتی خوبصورت بیٹی، اُمید! یہ خُدائی روشنی تیرے ہی ساتھ ہے، تُو ہی ہماری مصیبت کے وقتوں میں ہم کو تسلی دیتی ہے۔ تُو ہی ہمارے آڑے وقتوں میں ہماری مدد کرتی ہے۔ تیری ہی بدولت نہایت دُور دراز خوشیاں ہم کو نہایت ہی پاس نظر آتی ہیں" (۱۸)

سرسیّد کا مضمون "اُمید کی خوشی" سے بہتر مضمون شاید ہی دوسری زبانوں ہو، بالخصوص اُردو ادب میں اس کا کوئی ثانی نہیں ملتا۔ اس کا مقابلہ بلا مبالغہ "چارلس لیمپ" کے مضمون "ڈریم چلڈرن" سے کیا جا سکتا ہے۔

ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.7 No.3, 2024

مندرجہ بالا اقتباسات سے بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ سر سیّد کا تمثیلی انداز کس پیرائے کا تھا۔ پہلے اقتباس میں سر سیّد نے کس قدر خوبصورتی سے واضح کیا ہے کہ دراصل دُوری انسان کے لیے ہمیشہ کشش کا باعث ہوتی ہے۔ قریب اور میسر چیزوں میں انسان کی دلچسپی بہت کم ہو جاتی ہے اور پہنچ سے دُور چیزیں ہمیشہ توجہ طلب معلوم ہوتی ہیں۔ یہ سبق سمجھانے کا جو انداز سر سیّد نے اپنایا ہے وہ قابلِ تحسین ہے دھنک، تارے، پہاڑ، درخت، بیل بُوٹے اور نہریں کیا اتنی ہی رومان پرور ہوتی ہیں جتنی کہ سر سیّد کی تمثیلی نثر نے انھیں بنا دیا۔

دُوسرے اقتباس میں کہتے ہیں کہ "اونورانی چہرہ والے یقین کی اکلوتی خوبصورت بیٹی اُمید" کیا عمدہ مثال ہے تمثیل نگاری کی، نہ صرف یہ کہ "یقین" اور "اُمید" کی تجسیم نگاری کی بلکہ اُن کے اوصاف بھی ساتھ ہی بیان کر دیے اور ثابت کر دیا کہ دراصل یقین اور اُمید کامیابی کی کُنجی بھی ہیں۔

گزرا ہوا زمانہ

"برس کی آخری رات کو ایک بُڈھا اپنے اندھیرے گھر میں اکیلا بیٹھا ہے، رات بھی ڈراونی اور اندھیری ہے، گھٹا چھا رہی ہے، بجلی تڑپ تڑپ کر کڑکتی ہے، آندھی بڑے زور سے چلتی ہے۔ دِل کانپتا ہے اور دَم گھبراتا ہے۔ بُڈھا نہایت غمگیں ہے مگر اس کا غم نہ اندھیرے گھر پر ہے نا اکیلے پن پر اور نہ اندھیری رات اور بجلی کی کڑک اور آندھی کو گورنج پر اور نہ برس کی آخری رات پر، وہ اپنے پچھلے زمانے کو یاد کرتا ہے اور جتنا زیادہ یاد آتا ہے، اُتنا ہی غم بڑھتا ہے۔ ہاتھوں سے ڈھکے ہوئے مُنہ پر آنکھوں سے آنسو بھی بہے چلے جاتے ہیں" (۱۹)

"وہ دِل بہلانے کے لیے تاروں بھری رات کو دیکھ رہا تھا کہ یکایک اُس کو آسمان کے بیچ میں ایک روشنی دکھائی دی اور اس میں خوبصورت دُلہن نظر آئی، اُس نے ٹکٹکی باندھ کر اُسے دیکھنا شروع کیا۔ جُوں جُوں وہ اُسے دیکھتا تھا، وہ قریب ہوتی جاتی تھی یہاں تک کہ وہ اُس کے بہت پاس آگئی وہ اُس کے حُسن و جمال کو دیکھ کر حیران ہو گیا اور نہایت پاک دل اور محبت کے لہجے سے اُس سے پُوچھا کہ تُم کون ہو، وہ بولی کہ میں ہمیشہ زندہ رہنے والی نیکی ہوں" (۱۹)

یہ مضمون سادگی اور دلنشینی کا مرکب ہے، تبھی تو ڈاکٹر مشتاق احمد اپنی کتاب "سر سیّد کی نثری خدمات" میں لکھتے ہیں کہ **"سر سیّد کی نثر میں جہاں ایک طرف سادگی و دلنشینی کا حُسن پایا جاتا ہے، وہیں دوسری طرف ان کے زورِ بیان کی شادابی و شگفتگی ہمیں مسحور کر لیتی ہے" (۲۰)**

پہلے اقتباس میں سر سیّد نے اپنے مخصوص انداز میں رات کے ڈراؤنے ہونے، بجلی کے تڑپنے، آندھی کے زور سے چلنے، دِل کے کانپنے، دَم کے گھبرانے کا ذکر کیا ہے، گویا یہ تمام چیزیں کسی نہ کسی عمل سے گزر رہی ہیں، احساسات کا اظہار کر رہی ہیں۔ احساسات جو کسی جاندار میں ہی پائے جاتے ہیں۔

دُوسرے اقتباس میں "نیکی" کو ایک خوبصورت دُلہن سے تشبیہ دی ہے۔ ہمیشہ رہنے والے نیکی کا وجود ایک خوبصورت دُلہن کی مانند ہے، دُلہن جسے تصور کر کے رعنائی و دلفریبی کا عنصر نظر آتا ہے، جیسے دُلہن سجی سنوری ہوتی ہے ویسے ہی نیکی بھی بہت جاوداں ہے۔

ڈاکٹر مرزا حامد بیگ اپنی کتاب "اُردو افسانے کی روایت" میں سر سیّد کے **مضمون "گزرا ہوا زمانہ" کے بارے میں لکھتے ہیں کہ "سر سیّد احمد خان کی یہ تحریر اپنے آغاز میں یقیناً افسانہ کہلانے کی مستحق ہے۔۔۔ آغاز تمثیلی رنگ لیے ہوئے ہے۔۔۔ زیادہ سے زیادہ تمثیل یا حکایت کی جھلکیاں دیکھنے کو ملتی ہیں" (۲۱)**

اُمید (دُنیا اُمید پہ قائم ہے)

"اُمید کے سبب سے انسان میں سنجیدگی اور بُردباری اور خوش مزاجی کی عادت ہو جاتی ہے۔ گویا اُمید انسان کی رُوح کی جان ہے، ہمیشہ رُوح کو خوش رکھتی ہے اور تمام تکلیفوں کو آسان کر دیتی ہے، محنت پر رغبت دلاتی ہے اور انسان کو نہایت سخت اور مشکل کاموں کے کرنے پر آمادہ رکھتی ہے" (۲۲)

"اگلے زمانے کے لوگ بغیر اُمید زندگی کو نہایت بُرا سمجھتے تھے۔۔۔ خُدا نے انسان کے پاس ایک صندوقچہ بھجوایا۔ جب اُس کو کھولا تو اس میں سے ہر ایک قسم کی بلائیں اور مصیبتیں اور بیماریاں جو انسان کو ہوتی ہیں سب نکل پڑیں، اُمید بھی اس صندوقچے میں تھی وہ نہ نکلی بلکہ ڈھکنے میں چمٹ رہی اور صندوقچے ہی میں بند ہو گئی تاکہ مصیبت کے وقت انسان کو تسلی دے" (۲۲)

ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.7 No.3, 2024

پہلے اقتباس میں سر سیّد نے اُمید کو انسان کی رُوح کی جان قرار دیا ہے، گویا رُوح بھی ایک وجود رکھتی ہے اور اُس کی بھی ایک جان ہے جو کہ اُمید ہے۔ بہ الفاظِ دگر، اُمید ایک ایسی چیز ہے جو انسان کی رُوح کو مرنے نہیں دیتی، جب تک کہ وہ اُمید کا دامن ہاتھ سے چھوڑ نہیں دیتا۔

دوسرے اقتباس میں انُھوں نے ایک قصہ بیان کیا ہے جس کے مطابق، اُمید صندوقچے سے چمٹی رہی، یہاں ایک مرتبہ پھر اُنھوں نے اُمید کی تجسیم نگاری کی ہے، ظاہر ہے چپکنے کے صلاحیت تو کسی ایسی چیز میں ہی ہو سکتی ہے جو وجود رکھتی ہو۔

آدمؑ کی سرگزشت

"تمام قوتیں حیوانی اور انسانی، ملکی و شیطانی اس میں تھیں اور سب اس کی اطاعت و فرمانبرداری میں حاضر تھیں۔ جس جس کام پر وہ مامور تھیں اُن کو کر رہی تھیں اور اپنے کام میں ذرا سی بھی خطا نہیں کرتی تھیں مگر ایک قوت نہایت قوی اور سرکش تھی وہ میری کوئی خدمت نہیں کرتی تھی بلکہ طرح طرح کے جزبات کو جو غصہ اور غضب اور بغض و کینہ، عداوت و دُشمنی، قتل و خونریزی، چوری و زناکاری کے منشاہیں، تحریک دیتی رہتی تھی۔ اس کی آنکھوں سے میں نے جان لیا تھا کہ وہ میری بڑی دُشمن ہے۔ اس پر فتح پانا میرا بڑا کام ہے مگر وہ بھی جتاتی تھی کہ میں تیری دُشمنی کبھی نہیں چھوڑنے کی، جہاں پاؤں گی اپنا کام کروں گی اور جس طرح قابو پاؤں گی، ماروں گی" (۲۳)

سر سیّد کا مضمون "آدمؑ کی سرگزشت" ایک بہترین تمثیلی شاہکار ہے، اس میں اُنھوں نے تمام تر باطنی نیک و بد قوتوں کا ذکر کیا ہے، اُن کو ودیت کی گئی طاقتوں کو ایک روپ میں پیش کیا ہے، وہ جو جس جس کام پہ مامور ہیں اُسے انجام دے رہی ہیں۔ وہ گویا سب ایک وجود رکھتی ہیں، اسی طرح بُرائی کو اُس کی آنکھوں سے جان لینا اور سمجھ لینا کہ فتح پانا مشکل ہے جیسے کہ وہ کہ رہی ہو کہ چھوڑوں گی نہیں۔ اسی مضمون میں آگے جا کے "دادا" کا کردار بچوں کو بتاتا ہے کہ یہ قوتیں اچھائی اور بُرائی ہیں اور جس قوت سے وہ "آدمؑ" خوفزدہ تھے، وہ شیطان تھا۔

سرابِ حیات

"میرے خیال نے جھٹ ہاتھ بڑھایا، ماتھے پر رکھا، نتھنوں کے سامنے کیا، دِل ٹٹولا، سینہ ٹٹولا، ہاتھ دیکھا، پاؤں دیکھا، کچھ نہ تھا، سینہ پر ٹکٹکی باندھی کہ اس کے اندر سے ضرور کچھ روشنی جھلکتی ہو گی، پر کچھ نہ تھی۔ میں گھبرایا اور بے اختیار بول اُٹھا کہ اجی حضرت کچھ بولو تو سہی، وہاں کیا تھا، سانس بھی نہ تھی۔ میں نے کہا کہ یہ تو ویسا ہی معاملہ ہو گیا جیسا کہ اُن کے پہلوں کے ساتھ ہوا تھا۔ دُنیا کی حسرت لے جانے اور عبادت کے شوق میں مر جانے میں تو اب تک کچھ فرق نہیں دکھائی دیا" (۲۴)

مذکورہ مثال تمثیل نگاری کی عمدہ مثال ہے، مرشد کے مرنے کے واقعے کو کیسے بیان کیا گیا ہے، کہ مرید میں آگے بڑھ کر دیکھنے کی ہمت نہیں کہ پتا چلا سکے کہ دَم نکلا یا نہیں، وہ کیسے اپنے خیال کی تجسیم کرتا ہے اور کس خوبصورتی سے لکھا گیا ہے کہ **میرے خیال نے جھٹ ہاتھ بڑھایا، ماتھے پر رکھا، نتھنوں کے سامنے کیا، دِل ٹٹولا، سینہ ٹٹولا، ہاتھ دیکھا، پاؤں دیکھا، کچھ نہ تھا، سینہ پر ٹکٹکی باندھی کہ اس کے اندر سے ضرور کچھ روشنی جھلکتی ہو گی، پر کچھ نہ تھی۔** گویا جو طاقت اُس کے ہاتھوں میں نہ تھی کہ چُھو کر دیکھ پاتے، قدموں میں نہ تھی کہ قریب جا پاتے، وہ کام اُس کے خیال نے کر دیا۔

وحشیانہ نیکی

"ایک شخص کے پاس دو حبشی لڑکے تھے جوان، نوعمر اور اپنی قسم کے لوگوں میں نہایت حسین اور خوبصورت اور آپس میں دونوں کی جانی دوستی اور دِلی محبت تھی۔ اسی شخص کے پاس ایک حبشن نوعمر لڑکی بھی تھی جو اس قوم میں نہایت ہی خوبصورت سمجھی جاتی تھی۔ اتفاقاً وہ دونوں جوان لڑکے اس پر عاشق ہو گئے اور دونوں نے اس کو شادی کا پیغام دیا۔ وہ دونوں چونکہ نہایت خوبصورت بھی تھے اور دونوں کا مزاج بھی اچھا تھا اور ہم عصر بھی تھے وہ لڑکی دونوں میں سے جس کے ساتھ شادی ہو، راضی تھی مگر اُس نے یہ کہا کہ تُم دونوں دوست آپس میں اس بات کا تصفیہ کر لو کہ دونوں میں سے کس کے ساتھ شادی ہو۔ دونوں لڑکے دِل و جان سے اس پر عاشق تھے۔ عشق اس بات کی اجازت نہیں دیتا تھا کہ ایک تو اس سے شادی کر لے اور دوسرا محروم رہے اور دوستی بھی ان میں اسی سچی تھی کہ ایک کو دوسرے کا رنج اور بغیر آپس کی صلاح اور آپس کی خوشی کے دونوں میں سے کسی کو شادی کر لینا پسند نہ تھا۔ آخر کار عشق اور دوستی میں جھگڑا ہوا۔ وہ چاہتا تھا کہ میں غالب آؤں اور وہ چاہتی تھی کہ میں فتح پاؤں مگر کوئی جیت نہ سکا۔ دونوں برابر رہے۔" (۲۵)

ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.7 No.3, 2024

مندرجہ بالا قصہ میں دوستی، عشق، محبت کی تجسیم نگاری کی گئی ہے، اس قصہ میں یہ صرف احساسات نہیں رہے، بلکہ مجسم ہو کر سامنے آ گئے، حتیٰ کہ اُن کی بھی سوچ کو بیان کیا گیا ہے جیسے کہ عشق اور دوستی میں جھگڑا ہوا، عشق چاہتا تھا کہ میں غالب آؤں اور دوستی چاہتی تھی کہ میں فتح پاؤں۔ گویا عشق اور دوستی دو وجود تھے جو اپنی اپنی سوچ کے مطابق فیصلہ کرنا چاہتے تھے اور کیا بھی۔

خوشامد

"خودی جو انسان کو برباد کرنے والی چیز ہے جب چُپ چاپ سوئی ہوئی ہوتی ہے تو خوشامد اُس کو جگاتی اور اُبھارتی ہے اور جس کی خوشامد کی جاتی ہے اس میں چھچھورے پن کی کافی لیاقت پیدا کر دیتی ہے" (۲۶)

خوشامد میں سر سیّد نے بتایا ہے کہ خوشامد کیسے تباہی کا باعث بنتی ہے۔ سر سیّد اس مضمون میں "خودی" کو ایک وجود کی صُورت دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ وہ سوئی پڑی ہوتی ہے تو خوشامد اُسے جگاتی ہے، گویا ایک وجود "خودی" کا ہے اور ایک وجود "خوشامد" کا ہے، جو کہ تمثیل نگاری کی بہت عمدہ مثال ہے۔

تربیتِ اطفال

"اگر ہم اس بات پر خیال کریں کہ انسانوں کے عیوب مثل کالے بادلوں کے جمع ہو کر ہم ہی پر برستے ہیں تو دُنیا سے انسانوں کے عیوب بہت ہی کم ہو جاویں" (۲۷)

"کچھ خفا ہونے کی بات نہیں ہے۔ ٹھنڈے دل سے سمجھنا چاہیے کہ مذہبی تعلیم اور پند و نصاح کا اثر صرف دِل پر ہوتا ہے۔ یہ ضروری نہیں ہے کہ خواہش پر بھی اس کا اثر ہو" (۲۸)

پہلے اقتباس میں کس خوبصورتی سے سر سیّد نے تمثیل کا استعمال کیا ہے، عیوب کالے بادلوں کی طرح برسیں، واہ، تو واقعی دُنیا سے عیوب کم ہو جائیں، یعنی عیوب کو بھی وجود دینے کی بات کی، تاکہ اُن کو کم کیا جا سکے۔

دوسرے اقتباس میں "ٹھنڈے دِل" سے سمجھنے کی بات کی جو کہ "لمسی تمثیل" کی بہت عمدہ مثال ہے۔

ڈاکٹر عبدالواجد تبسم اپنے تحقیقی مضمون "مضامینِ سر سیّد کا موضوعاتی اور اسلوبی تنوع: تجزیاتی مطالعہ" میں لکھتے ہیں کہ **"مضامینِ سر سیّد کی زبان سلیس، اندازِ بیان میں گفتگو کا سا انداز ہے، مگر سنجیدگی اور متانت بنیادی خاصا ہے۔۔۔ سر سیّد نے اُردو نثر کے اُسلوب کی تشکیلِ نو کی اور اس میں ایسا تنوع پیدا کیا کہ وہ مختلف النوع مضامین کے بیان کے قابل ہو سکی۔ انھوں نے انشا کی تمام قدیم روایات کو ختم کر کے ایک سادہ اور سلیس اسلوب کی بُنیاد ڈالی" (۲۹)**

آزادیِ رائے

"اب جو بڑے بڑے عالم فقیہ اور دانا رہ گئے ہیں اُن کا یہ حال ہے کہ کسی چیز کی حقیقت سے کیا مسائل علمی اور کیا عقائد مذہبی میں کچھ بھی واقفیت نہیں رکھتے۔ جس شخص سے کسی بات کی حقیقت پُوچھو اگر وہ بڑا ہی عالم ہے تو بجز اس کے کہ فلاں شخص نے یہ لکھا ہے اور کچھ نہیں بتا سکتا۔ تمام علوم کا مزہ اور تمام عقیدوں کا اثر دِل سے جاتا رہا" (۳۰)

اِس مضمون میں بھی سر سیّد نے کئی مقامات پر تمثیل نگاری سے کام لیا ہے جیسے کہ مندرجہ بالا اقتباس میں وہ "علوم کا مزہ" کی ترکیب استعمال کر رہے ہیں، اب علوم کوئی چکھے جانے کی چیز تو نہیں البتہ اُن کی مدد سے حاصل کردہ فوائد ضرور "مزہ" دیتے ہیں، یہ بھی "ذائقاتی تمثیل" کی بہترین مثال ہے۔

ترقی کے اُصول اور تنزل کی وجوہ

"ایک بُت یہ ہے کہ لوگ گزشتہ طریقہِ تعلیم پر اور اس زمانے کے دلائل اور بحث مباحثے کے طریقے پر از خود رفتہ ہیں"

ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.7 No.3, 2024

"ایک بُت یہ ہے کہ ان تمام چیزوں سے جو مذہب اور اسلامی مملکت سے اجنبی ہیں، متعصابانہ نفرت رکھتے ہیں۔ایک بُت پرست قومیت کے مغرورانہ افتخار کا ہے" (۳۱)

"ایک بُت جو سب سے بڑا اور نہایت خوفناک ہے وہ کاہلی اور لاپرواہی اور غفلت کا ہے۔ یہ سارے بُت گونگے اور تاریک ہیں جن کی شکل سے وحشت ٹپکتی ہے۔اور جو اپنے دعووں میں محض بیہودہ اور اپنی کمزوری اور بے اثری کے باعث قابل نفرت ہیں"(۳۲)

کیا اعلیٰ وارفع خیالات ہیں، معاشرے میں موجود تمام بُرائیوں، مسائل کو بُت سے تشبیہہ دے کے یہ موقع فراہم کیا ہے کہ ہم ان متعصبانہ رویوں، کاہلی، لاپرواہی اور غفلت کے گونگے اور تاریک بُتوں کو توڑ کر اس زوال پذیر معاشرت کو بچا سکتے ہیں۔ ہمارے یہ خود ساختہ اوہام کے بُت ہماری ہی کمزوری کے باعث ہم پہ محیط ہیں اور ہم چاہیں تو ان سے جان چُھڑا سکتے ہیں۔ معاشرے کی تنزلی کا باعث بننے والی یہ روایات ایک بُت سے زیادہ کچھ نہیں اور ان سے چھٹکارہ بھی اسی قدر آسان ہے جتنا کہ ایک بُت کو توڑ دینا۔ لیکن اُس کے لیے بھی پہلے ہمیں اپنی کمزوریوں کو جاننا ہو گا تبھی اُن سے چُھٹکارا حاصل کیا جا سکتا ہے۔

ڈاکٹر سّید عبداللہ اپنی کتاب "سر سیّد احمد خان اور اُن کے نامور رفقا کی اُردو نثر کی فنی اور فکری جائزہ" میں لکھتے ہیں کہ "۔۔۔ سر سیّد کی تحریریں اثر آفرینی سے خالی نہیں۔ صنائع بدائع سے انہیں ضرور چڑ تھی مگر قدرتی صنعت کاری کے آثار ان کے بیان میں موجود ہوتے ہیں۔ انُھوں نے تشبیہ، استعارہ، تمثیل سے خاص کام لیا ہے اور طنز و ظرافت اور مکالمہ کے انداز ان کی تحریروں میں جا بجا پائے جاتے ہیں۔"(۳۳)

کن کن چیزوں میں تہذیب چاہیے

"انسان کے اعضاء میں تکرار ہوئی اور ہر ایک عضو نے خود غرضی اختیار کی۔ تھوڑی دیر بعد معدہ بھوک کے مارے بے چین ہوا، پاؤں نے کہا میں کیوں چل کر غذا بہم پہنچاؤں، ہاتھوں نے کہا ہم کیوں غذا کو منہ تک پہنچاویں، آنکھوں نے کہا کہ ہم اس میں سے بال مکھی کیوں دیکھیں، ناک نے کہا کہ غذا کا سڑا بساندا ہونا میں کیوں سونگھوں، منہ نے کہا میں کیوں چبا کے حلق میں نگلوں، سب آپ آپ چُپکے ہو رہے، وہ ایک دن تو جُوں تُوں گزر گئے پھر تو پاؤں لڑکھڑانے لگے، ہاتھ کانپنے لگے، منہ ہلانے کی طاقت نہ رہی، آنکھوں میں اندھیرا آنے لگا، تب تو گھبرائے کہ یہ کیا ہوا۔ اُس وقت عقل کے پاس گئے اُس نے کہا کہ خود غرضی نے تُمہارا یہ حال کیا ہے" (۳۴)

سر سیّد کا مضمون "کن کن چیزوں میں تہذیب چاہیے" تمثیل نگاری کی کیا عمدہ مثال ہے۔ مذکورہ بالا اقتباس میں سر سیّد نے انسان کے تمام اعضا کو وجود بخش دیا، اُنہیں سوچنے، سمجھنے اور فیصلہ کرنے کی قوت عطا کر دی نتیجتاً تمام اعضائے انسانی اذخود انسانی روپ میں فیصلے لینے لگے اور جب بے حال ہوئے تو عقل کے پاس گئے گویا "عقل" بھی ایک کردار ہے جس نے تمام اعضاء کو بتایا کہ خود غرضی نے تُم سب کا یہ حال کیا۔ یہ پورا واقعہ تمثیل نگاری کی نہایت عمدہ کاوش ہے۔۔اس سلسلہ میں ان مضامین میں اُمید کی خوشی سے بہتر مضمون شاید ہی دوسری زبانوں میں اردو ادب میں تو اس کا ثانی نہیں ملتا۔اس کا مقابلہ چارلس لیمب کے مضمون ڈریم چلڈرن سے کیا جا سکتا ہے۔ سر سیّد عام طور سے ثنائے بدائے سے احتراز کرتے ہیں مہاقات کی مدد سے وہ اکثر اپنی تحریروں میں افسانوی رنگ اور درد کی کیفیت پیدا کر دیتے ہیں اور قاری کی نگاہوں سے سامنے ایسی تصویر کھینچ دیتے ہیں جس میں وہ محو ہو جاتا ہے۔

کتابیات:

۱۔اظہر اُللغات، اُردو، لاہور، اظہر پبلشرز، ص ۲۹

۲۔درسی اُردو لغت، مرتبہ محمد اسحاق جلالپوری، تاج محمد، اسلام آباد، مقتدرہ قومی زبان ص ۳۴

۳۔فیروز اللغات، کراچی، فیروز سنز، ص ۶۲

۴۔ اظہر اُللغات، ص ۲۳۳

۵۔درسی اُردو لغت، ص ۳۹۳

۶۔فیروز اللغات، ص ۲۰۲

۷۔فرمان فتح پوری بحوالہ منظر اعظمی،اُردو میں تمثیل نگاری، دہلی،انجمن ترقّی اُردو(ہند)،اُردو گھر، نئی دہلی،۱۹۷۷،ص ۱۰۴

۸۔اسلام سندیلوی،ڈاکٹر،بحوالہ منظر اعظمی،اُردو میں تمثیل نگاری،ص ۱۰۳

۹۔ منظر اعظمی،اُردو میں تمثیل نگاری،ص۱۲۶-۱۲۷

۱۰۔سر سیّد احمد خان، مضامینِ سر سیّد(مذہبیم، تعلیمی،اخلاقی اور سماجی تحریروں کا جامع انتخاب)، مرتبہ محمد اکرام چغتائی،لاہور،سنگِ میل پبلی کیشنز،۲۰۱۴،ص ۳۸۵

۱۱۔سر سیّد احمد خان، مضامینِ سر سیّد، مرتبہ محمد اکرام چغتائی،ص ۴۰۵

۱۲۔سر سیّد احمد خان، مضامینِ سر سیّد، ص ۴۱۹

۱۳۔سر سیّد احمد خان، مضامینِ سر سیّد، ص ۳۷۶

۱۴۔سر سیّد احمد خان، مضامینِ سر سیّد، ص ۳۵۹

۱۵۔سر سیّد احمد خان، مضامینِ سر سیّد، ص ۴۵۳

۱۶۔سر سیّد احمد خان، مضامینِ سر سیّد، ص ۴۵۱

۱۷۔رام بابو سکسینہ،تاریخِ ادبِ اُردو، ص ۳۶۳

۱۸۔سر سیّد احمد خان، مضامینِ سر سیّد، ص ۳۸۳

۱۹۔سر سیّد احمد خان، مضامینِ سر سیّد، ص ۴۱۹

۲۰۔مُشتاق احمد،ڈاکٹر، سر سیّد کی نثری خدمات، دہلی،ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس،انڈیا،۲۰۰۵،ص ۱۲۳

۲۱۔حامد بیگ، مرزا،ڈاکٹر،اُردو افسانے کی روایت(اُردو افسانے کا انسائیکلوپیڈیا)،۱۹۰۳سے ۲۰۰۹تک،لاہور،علم و عرفان پبلشرز،اگست ۲۰۲۲،ص ۳۷

۲۲۔سر سیّد احمد خان، مضامینِ سر سیّد، ص ۳۸۱

۲۳۔سر سیّد احمد خان، مضامینِ سر سیّد، ص ۴۵۲

۲۴۔سر سیّد احمد خان، مضامینِ سر سیّد، ص ۴۳۱

۲۵۔سر سیّد احمد خان، مضامینِ سر سیّد، ص ۴۲۲

۲۶۔سر سیّد احمد خان، مضامینِ سر سیّد، ص ۴۰۵

۲۷۔سر سیّد احمد خان، مضامینِ سر سیّد، ص ۳۷۴

۲۸۔سر سیّد احمد خان، مضامینِ سر سیّد، ص ۳۷۶

۲۹۔عبدالواجد تبسم،ڈاکٹر، مضامین سر سیّد کا موضوعاتی اور اُسلوبی تنوع: تجزیاتی مطالعہ،الماس، تحقیقی جرنل، ص ۲۲

۳۰۔سر سیّد احمد خان، مضامینِ سر سیّد، ص ۳۵۹

ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.7 No.3, 2024

۳۱۔ سر سیّد احمد خان، مضامینِ سر سیّد، ص ۳۴۵

۳۲۔ سر سیّد احمد خان، مضامینِ سر سیّد، ص ۳۴۶

۳۳۔ سیّد عبداللہ، ڈاکٹر، سر سیّد احمد خان اور اُن کے نامور رفقاء کی اُردو نثر کا فنی اور فکری جائزہ، اِسلام آباد، مقتدرہ قومی زبان، ۱۹۹۴، ص ۵۲

۳۴۔ سر سیّد احمد خان، مضامینِ سر سیّد، ص ۳۳۳